کیا فرماتے ہیں علماء کرام ومفتیان عظام اس مسئلہ کے بارے میں کہ وہ لوگ جو دارالحرب میں رہتے ہیں تو کیا ان کی زمینوں میں عشر لازم ہوگا یا خراج۔

جبکہ علامہ شامیؒ نے باب الرکاز میں خود اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے اور نہ ہی خراجی، دراصل دارالحرب کی زمین میں ائمہ احناف کا آپس میں اور جمہور کے ساتھ اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ اور ایک قول میں امام محمدؒ کے نزدیک دارالحرب کی زمین نہ عشری ہے اور نہ خراجی جبکہ جمہور اور امام ابو یوسفؒ اور ایک قول میں امام محمدؒ کے نزدیک اگر کوئی دارالحرب میں ایمان لایا تو اس کی زمین میں عشر ہوگا جس طرح کے اس کے مال میں زکوۃ لازم ہوتی ہے اور یہ اختلاف ایک دوسرے اختلاف پر مبنی ہے کہ جب کوئی شخص دارالحرب میں مسلمان ہوگیا تو اس کی زمین میں امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس کی ملکیت ثابت نہیں ہوگی جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس کی ملکیت ثابت ہوجائیگی کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ آدمی حربی کے حکم میں ہے جبکہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حدیث ''من اسلم علی شی فھو لہ'' کے عموم سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی ملکیت اشیاء منقولہ میں بھی ثابت ہوجائیگی اور اشیاء غیر منقولہ میں بھی۔

اب چند سوالات مطلوب ہیں۔

(۱) مذکورہ بالا اختلاف میں راجح قول کس کا ہے۔

(۲) اگر دارالحرب میں اس مسلمان کو کسی نے قتل کردیا تو اس کا کیا حکم ہوگا۔

(۳) اگر مذکورہ بالا اقوال میں سے امام ابو یوسفؒ کے قول لیا جائے تو کیا اس طرح درست ہوگا جبکہ ان کے قول کی تائیدات بھی موجود ہیں اس طور پر کہ عشر کا تعلق عبادات سے ہے اور مسلمان کے لیے لازم ہے کہ وہ عبادت کا اہتمام ہر جگہ کرے خواہ وہ دارالاسلام ہو یا دارالحرب، دوسری وجہ ترجیح امام ابو یوسفؒ کے قول کے یہ معلوم ہوتی ہے کہ عشر کا تعلق زمین سے ہے اور زمین کا تعلق اوقاف سے ہے اور اوقاف میں امام ابو یوسفؒ کا قول مفتی بہ ہوتا ہے، تیسری وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ امام ابو یوسفؒ کا استدلال صریح نص ''من اسلم علی شئ فھو لہ'' سے ہے جبکہ امام ابوحنیفہؒ اس مسئلہ میں زمین کا نفس پر قیاس کرتے ہیں اور قیاس کے مقابلے میں نص کو ترجیح ہوتی ہے۔

لہٰذا اگر ان تمام وجوہ کو دیکھ کر امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتوی دیا جائے تو کیا یہ درست ہے یا امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہی عمل کرلیا جائے۔

(۴) اسی طرح قرآن وحدیث میں ''الارض'' کا لفظ مطلق آیا ہے پھر اس عموم سے دارالحرب کی زمین کو نکالنا کیسے درست ہوگا۔

فقہاء کرام کے اقوال اور اکابرین کی آراء کو مدنظر رکھتے ہوئے جواب دے کر مشکور فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیراً فی الدارین

المستفتی: محمد شہزاد خان

03329352853/03138586081

(جواب منسلک ہے)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامدًا ومصلّیاً

(۱،۳،۴)۔۔۔یہ بات واضح رہے کہ دار الحرب کی دو قسمیں ہیں:

(الف)۔۔پہلی قسم وہ دار الحرب ہے جو اصل سے دار الحرب ہو، یعنی جس پر ماضی میں کسی وقت بھی مسلمانوں کی حکومت قائم نہ ہوئی ہو اور نہ ہی وہاں پر باقاعدہ مسلمانوں کے بسنے اور زمینیں خریدنے کا رواج رہا ہو۔(فقہی عبارات میں جہاں کہیں دار الحرب کی زمین کے عشر وخراج کی نفی مذکور ہے، اس سے یہی پہلی صورت ہی مراد ہے۔)

(ب)۔۔دوسری قسم وہ ہے جو اصل سے دار الحرب نہ ہو، بلکہ ماضی میں کسی وقت وہاں پر مسلمانوں کی حکومت ایک دفعہ قائم ہو چکی ہو، البتہ بعد میں اس سرزمین پر کفار کا غلبہ ہو جائے، لیکن مسلمانوں کی اپنی زمینوں پر ملکیت برقرار رکھی جائے، حربی حکومت ان سے زمینیں اپنے قبضے میں نہ لے۔

مذکورہ بالا دوسری صورت میں تو عشر وخراج کے احکام بدستور باقی رہیں گے، (جیسا کہ "جواہر الفقہ" کی جلد دوم صفحہ (۲۷۱) پہ "حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب قدس اللہ سرہ" نے یہ بات وضاحت کے ساتھ لکھی ہے۔) البتہ پہلی صورت میں مسلمانوں کی زمین پر عشر واجب ہو گا یا نہیں؟

تو اس بارے میں فقہاءِ احناف کی عام تصریحات سے تو یہی واضح ہوتا ہے کہ دار الحرب کی زمین نہ عشری ہے، نہ خراجی، بلکہ اس کا تعلق دار الاسلام کی زمین سے ہے، چنانچہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے "باب الرکاز" میں یہ مسئلہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے، عبارت ملاحظہ فرمائیں:

حاشية ابن عابدين (رد المحتار) - (۲ / ۳۲۰):

ثم رأيت عين ما قلته في شرح الشيخ إسماعيل حيث قال: ويحتمل أن يكون احترازا عما وجد في دار الحرب فإن أرضها ليست أرض خراج أو عشر والمراد بأرض الخراج أو العشر أعم من أن تكون مملوكة لأحد أو لا صالحة للزراعة أو لا فيدخل فيه المفاوز وأرض الموات فإنها إذا جعلت صالحة للزراعة كانت عشرية أو خراجية اه

اسی طرح "شرح السیر الکبیر" میں بھی یہ مسئلہ مذکور ہے کہ اگر مسلمانوں کی ایک طاقتور جماعت دار الحرب میں داخل ہو کر وہاں پر کچھ عرصہ قیام کرے اور اسی اثناء میں بعض لوگ اپنے ساتھ لائے ہوئے بیج کے ذریعہ وہاں پر کھیتی وغیرہ اگائیں اور پھر وہ کھیتی کاٹ کر اپنے ساتھ دار الاسلام لے آئیں تو اس پر عشر و

خراج واجب نہیں، کیونکہ یہ کھیتی کفار اہل حرب کی زمین میں اگائی گئی ہے، اور چونکہ دار الحرب کی زمینیں نہ عشری ہیں، نہ خراجی، اس لیے مذکورہ زمینوں سے اگنے والی کھیتی وغیرہ میں بھی عشر و خراج واجب نہ ہوگا۔

"شرح السیر الکبیر" کی عبارت ملاحظہ ہو:

شرح السير الكبير - (٦ / ٤)

ولو أن عسكرا من المسلمين لهم منعة وعزة دخلوا أرض الحرب فأقاموا فيها حينا حتى زرع منهم ناس زروعا فأدركت زروعهم، فحصدوها وأخرجوها إلى دار الإسلام، فإن كان البذر الذي بذروه من بذر لهم أدخلوه من أرض الإسلام، فذلك الزرع كله لهم. لأن هذه نماء ملكهم (ونماء الملك لمالكه) حتى يستحق بحق ولا خمس فيه. لأنه ليس بغنيمة. ولا عشر فيه ولا خراج. لأن العشر والخراج إنما يجب في أراضي المسلمين، وهذه أراضي أهل الحرب، وأراضي أهل الحرب ليست بعشرية ولا خراجية.

اور "مبسوط" کی عبارت پر بھی اگر غور کیا جائے تو اس سے بھی یہ واضح ہوتا ہے کہ عشر و خراج کا تعلق دار الاسلام ہی کی زمین سے ہے، اس میں دار الحرب کی زمین کا کوئی ذکر نہیں، اور چونکہ فقہاءِ کرام کے کلام میں مفہومِ مخالف کا اعتبار ہوتا ہے، اس لیے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دار الحرب کی زمین سے عشر و خراج کا کوئی تعلق نہیں، بلکہ اس کا تعلق دار الاسلام کی زمین سے ہے، چنانچہ ذیل میں "مبسوط" کی عبارت ذکر کی جاتی ہے:

المبسوط للسرخسي - (٣ / ٦)

الأراضي النامية لا تخلو عن وظيفة في دارنا والوظيفة إما الخراج، أو العشر

اسی طرح عشر و خراج کی تعریف اور ان کی تمام ممکنہ صورتوں پر بھی اگر غور کیا جائے تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ عشر و خراج کا تعلق دار الاسلام کی سرزمین سے ہے، نہ کہ دار الحرب کی زمین سے۔

مذکورہ بالا فقہی عبارات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ دار الحرب کی زمین نہ عشری ہے، نہ خراجی۔

البتہ دورِ حاضر میں چونکہ مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد دار الحرب میں رہتی ہے (چاہے وہاں کے اصلی باشندے ہوں یا ویزہ لے کر گئے ہوں) اور باقاعدہ ان کو وہاں کی شہریت بھی حاصل ہوتی ہے اور رجسٹریشن کے کاغذات میں قانونی طور پر بھی وہ اپنی زمینوں کے مالک شمار ہوتے ہیں، چنانچہ وہ اگر اپنی ذاتی زمین بیچنا یا کسی کو ہبہ وغیرہ میں دینا چاہیں تو قانوناً ان کو اختیار حاصل ہوتا ہے، وہاں کی حربی حکومت اس پر کوئی پابندی نہیں

(جاری ہے---)

لگاتی، یعنی وہ زمینیں حربی حکومت کی ملکیت شمار نہیں ہوتیں، بلکہ مذکورہ مسلمانوں کی ہی ملکیت شمار ہوتی ہیں، (جیساکہ حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ کی ایک روایت اور حضرت امام محمد رحمہ اور ائمہ ثلاثہ کا مذہب بھی یہی ہے) لہذا جن غیر مسلم ممالک میں مذکورہ صورتِ حال پائی جاتی ہو تو آیا ان کی زمینوں پر عشر واجب ہوگا یا نہیں؟

مذکورہ بالا فقہی عبارات سے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ مذکورہ مسلمانوں کی زمین پر عشر واجب نہ ہو، البتہ حضرت امام ابویوسف رحمہ اللہ کی "کتاب الخراج" میں ایک مسئلہ مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر دار الحرب کی کوئی قوم اسلام قبول کرلے تو ان کے اموال وغیرہ انہیں کی ملکیت میں رہیں گے، اور ان کی زمین عشری ہوگی۔ "کتاب الخراج" کی عبارت ملاحظہ فرمائیں:

الخراج لأبي يوسف - (١ / ٦٢)

فصل: في إسلام قوم من أهل الحرب وأهل البادية عَلَى أرضهم وأموالهم

قَالَ أَبُو يُوسُفَ: وسألت يا أمير المؤمنين عن قوم من أهل الحرب أسلموا على أنفسهم وأرضهم ما الحكم فِي ذلك ؟

فإن دمائهم حرام وما أسلموا عليه من أموالهم فلهم وكذلك أرضوهم لهم وهي أرض عشر بمنزلة المدينة حيث أسلم أهلها مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وكانت أرضهم أرض عشر وكذلك الطائف والبحرين.

وكذلك أهل البادية إذًا أسلموا عَلَى مياههم وبلادهم فلهم ما أسلموا عليه وهو فِي أيديهم وليس لأحد من أهل القبائل أن يبني فِي ذلك شيئا يستحق به منه شيئا , ولا يحفر فيه بئرا يستحق به شيئا , وليس لهم أن يمنعوا الكلأ ولا يمنعوا الرعاء ولا المواشي من الماء ولا حافرا ولا خفا فِي تلك البلدة , وأرضهم أرض عشر لا يخرجون عنها فيما بعد ويتوارثونها ويتبايعونها. وكذلك كل بلاد أسلم عليها أهلها فهي لهم وما فيها.

اسی طرح حضرت امام محمد رحمہ اللہ سے دریافت کیا گیا کہ جو اہلِ حرب اپنے ملک میں رہتے ہوئے اسلام قبول کرلیں تو آیا ان کی زمین پر عشر ہوگا؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں ہوگا۔ ذیل میں "کتاب الأصل" کی عبارت نقل کی جاتی ہے:

الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني – (٢ / ١٤٦)

قلت أرأيت قوما من أهل الحرب أسلموا في دارهم أيكون أرضهم من أرض العشر؟ قال نعم! قلت لم؟ قال لأنهم أسلموا عليها ولم يفتح المسلمون بلادهم فيكون فيئا فأرضهم من أرض العشر

الأصل المعروف بالمبسوط للشيباني – (٢ / ١٧٠)

قلت أرأيت قوما من أهل الحرب أسلموا على دارهم أتكون أرضهم من أرض العشر قال نعم قلت ولم قال لأنهم أسلموا عليها فصارت في ذلك بمنزلة أرض العرب وإنما يجب الخراج مما أوجف عليه المسلمون وافتتحوه

اسی طرح "علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی قدس اللہ سرہٗ" نے "اعلاء السنن" (۱۲/ ۴۵۰) میں حدیثِ مبارک "من أسلم على شيئ فهو له" کے تحت تشریح کرتے ہوئے آخر میں اپنی رائے ذکر فرمائی ہے جس کا حاصل بھی یہ نکلتا ہے کہ دار الحرب میں رہنے والے مسلمان چونکہ اپنی زمینوں کے مالک ہوتے ہیں، اس لیے ان کی زمینوں پر عشر واجب ہونا چاہیے، چنانچہ حضرت تحریر فرماتے ہیں:

اعلاء السنن – (١٢/ ٤٥٠)

قلت: والظاهر أن القول بكون أرض الحرب ليست بعشرية و لا خراجية مبنى على القول بأن العقار لا تثبت فيه يد المالک حقيقة ، بل اليد للملک، فأرض أهل الحرب لا عشر فيها لكونها بيد ملكهم، وملكهم مغنوم، فما فى يده مغنوم أيضا، والعشر انما يوظف على ما هو بيد المسلم و لا خراج، لأن خراج الأرض لا يجب الا على من هو من أهل دار الاسلام، لأنه حكم من احكام المسلمين، وحكم المسلمين لا يجرى الا على من أهل دار الاسلام، **فعلى قياس قول أبى يوسف ينبغى وجوب العشر فى أرض المسلم فى أرض الحرب اذا أسلم عليها، لأنه لا يقول بكون أرضه وداره فيئا للمسلمين اذا ظهروا على الدار، بل يقول بثبوت يد المالک عليهما حقيقة و العشر زكاة الأرض ، فيجب عليهما كوجوب الزكاة فى مابيده من النقود المنقولة. وقد عرفت في باب "من أسلم على شئ، فهو له" أن قول أبى يوسف هو الصحيح الراجح عندنا لقوة دليله، وكونه أرفق بالناس، فكذلک وجوب العشر فى أرض من أسلم فى أرض الحرب، هو الراجح.** وبالأولى يجب فى أرض من كان فيها من أبناء الفاتحين الذين فتحوها عنوة أو من أبناء من أسلم هناک و الدار دار الاسلام، ثم استولى

الکفار علی الدار، ولم یتعرضوا لما بأیدیهم من الدور و العقارات، لم أره صریحا، ولکنه مقتضی قول أبی یوسف رحمه الله الراجح عندنا فی الباب، ولعل الله یحدث بعد ذلک أمرا وهو أعلم بالصواب.

مذکوہ بالا دلائل سے یہ نتیجہ نکلا کہ دورِ حاضر میں جس دار الحرب میں رہنے والے مسلمان قانونی طور پر اپنی زمینوں کے باقاعدہ مالک ہوں، ان کی زمینوں پر عشر واجب ہونا چاہیے۔ نیز! اس میں عبادت کا پہلو بھی پایا جاتا ہے اور یہ أنفع للفقراء بھی ہے اور بعض اکابرِ دیوبند بھی (جیسے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب قدس اللہ سرہٗ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب قدس اللہ سرہٗ اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی قدس اللہ سرہٗ) ہندوستان کی زمین میں احتیاطاً عشر نکالنے کا مشورہ دیتے تھے، اس لیے احتیاطاً عشر واجب ہونا چاہیے۔ (دیکھیے فتاوی دار العلوم دیوبند: ۶/ ۱۱۹، ۱۲۵، امداد الأحکام: ۲/ ۳۸)

(۲)۔۔۔ دار الحرب میں اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو قتل کر دے تو اس بارے میں تفصیل ہے کہ آیا یہ قتل عمداً ہوا ہے یا خطاءً؟

اگر قتل خطاءً ہوا ہے تو اس کی چھ (۶) ممکنہ صورتیں بنتی ہیں:

(الف)۔۔ پہلی صورت یہ ہے کہ قاتل و مقتول دونوں مسلمان ہوں اور وہ دونوں ویزا لیکر دار الحرب میں تجارت یا کسی اور غرض سے گئے ہوں۔ اس صورت میں قاتل پر دیت اور کفارہ (دو ماہ مسلسل روزے رکھنے لازم ہوں گے) لازم ہو گا۔ (عبارات ملاحظہ فرمائیں ۱ تا ۴)

(ب)۔۔ دوسری صورت یہ ہے کہ قاتل و مقتول دونوں مسلمان ہوں، لیکن قاتل ویزا لیکر دار الحرب گیا ہو اور مرنے والا شخص اصلاً وہاں کا باشندہ ہو۔ اس صورت میں قاتل پر صرف کفارہ لازم ہو گا۔ (عبارات ملاحظہ فرمائیں: ۵ تا ۸)

(ج)۔۔ تیسری صورت یہ ہے کہ مذکورہ دونوں شخص مسلمان ہوں، لیکن قاتل وہاں کا اصلاً باشندہ ہو اور مرنے والا شخص ویزا لیکر وہاں گیا ہو۔ اس صورت کا حکم پہلی صورت کی طرح ہے، یعنی قاتل پر دیت اور کفارہ لازم ہو گا۔ (عبارات ملاحظہ فرمائیں ۱ تا ۴)

(د)۔۔ چوتھی صورت یہ ہے کہ مذکورہ دونوں شخص (قاتل و مقتول) مسلمان ہوں اور دونوں وہیں کے باشندے ہوں، اس صورت میں قاتل پر صرف کفارہ لازم ہو گا۔ (عبارات ملاحظہ فرمائیں: ۵ تا ۸)

(جاری ہے۔۔۔)

(ہ)۔۔پانچویں صورت یہ ہے کہ قاتل حربی ہو اور مرنے والا شخص مسلمان ہو اور ویزا لے کر دار الحرب گیا ہو۔

(ط)۔۔ چھٹی صورت یہ ہے کہ قاتل حربی ہو اور مرنے والا شخص مسلمان ہو اور وہیں کا اصلی باشندہ ہو۔

پانچویں اور چھٹی صورت میں قاتل پر شرعاً کچھ واجب نہیں کیا جاسکتا، تاہم وہاں کے حکومتی قوانین کے مطابق اگر کوئی سزا مقرر ہو تو مقتول کے اولیاء قانونی کاروائی کر کے قاتل کو وہ سزا دلوا سکتے ہیں۔(مأخذہ تبویب بتصرف:۱۱۲۰/۴)

اگر عمداً قتل ہوا ہو تو اس صورت میں بھی مذکورہ بالا چھ صورتیں بنتی ہیں، تاہم ان تمام صورتوں میں سے کسی بھی صورت میں قاتل پر کفارہ لازم نہ ہوگا اور نہ ہی اس سے شرعاً قصاص لیا جاسکتا ہے، کیونکہ دار الحرب حکومتِ اسلامیہ کی ولایت کے تحت داخل نہیں، لیکن اگر وہاں کے قوانین کے مطابق اس جرم کی کوئی سزا مقرر ہو تو مقتول کے اولیاء قانونی کاروائی کر کے حکومت کے ذریعہ قاتل کو وہ سزا دلوا سکتے ہیں۔

البتہ پہلی اور تیسری صورت میں قاتل پر دیت لازم ہوگی۔(عبارات ملاحظہ فرمائیں:۳،۴)

و الدليل على ما قلنا ما يلي:

(١)...قال الله تبارک و تعالى في كلامه المجيد:

﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقْتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَأً وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا (٩٢) وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهُ وَأَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا﴾ (٩٣) [النساء : ٩٢ ، ٩٣]

(٢)...بدائع الصنائع، دارالكتب العلمية – (٧ / ١٣٣)

و على هذا: مسلمان دخلا دار الحرب بأمان بأن كانا تاجرين مثلا فقتل احدهما صاحبه عمدا لا قصاص على القاتل لما بينا، وإن كان خطأ فعليه الدية في ماله، والكفارة؛ لأنهما من أهل دار الإسلام، وإنما دخلا دار الحرب لعارض أمر، إلا أنه لا يجب القصاص للشبهة، أو لتعذر الاستيفاء على ما بينا و لو كانا أسيرين، أو كان المقتول أسيرا مسلما فلا شيء

(جاری ہے۔۔۔)

على القاتل إلا الكفارة في الخطأ عند أبي حنيفة – رضي الله عنه – و عندهما عليه الكفارة والدية.

(وجه) قولهما أن الأسيرين من أهل دار الإسلام كالمستأمنين، وإنما الأسر أمر عارض، ولأبي حنيفة – رضي الله عنه – أن الأسير مقهور في يد أهل الحرب، فصار تابعا لهم فبطل تقومه – والله سبحانه وتعالى – أعلم

(٣)...تبيين الحقائق وحاشية الشلبي – (٣ / ٢٦٧)

قال – رحمه الله – (مسلمان مستأمنان قتل أحدهما صاحبه تجب الدية في ماله والكفارة في الخطأ) أي مسلمان دخلا دار الحرب بأمان فقتل أحدهما الآخر عمدا أو خطأ تجب الدية في ماله وتجب الكفارة في الخطأ دون العمد لأنها لا تجب في العمد عندنا على ما عرف في موضعه أما الكفارة والدية في الخطأ فلقوله تعالى ﴿ومن قتل مؤمنا خطأ فتحرير رقبة مؤمنة ودية مسلمة إلى أهله﴾ [النساء : ٩٢] ولأن العصمة الثابتة بالإحراز بالدار لا تبطل بالدخول العارض بالأمان وإنما تجب في ماله لأن العاقلة لا قدرة لهم على الصيانة مع تباين الدارين والوجوب عليهم على اعتبار تركها وإنما تجب الدية في العمد في ماله لأن العواقل لا تعقل العمد والقصاص قد سقط للشبهة فلا بد من الدية صيانة للدم المعصوم فتعين أن يكون ذلك في ماله وعن أبي يوسف أن القصاص يجب عليه لأنه بدخوله دار الحرب لا تبطل عصمته والمسلم من أهل دار الإسلام حيث كان والقصاص حق الولي ينفرد باستيفائه من غير حاجة فيه إلى الإمام فيستوفيه قلنا لا يمكن استيفاؤه إلا بمنعة لأن الواحد لا يقاوم القاتل ظاهرا ولا منعة دون الإمام وجماعة المسلمين ولم يوجد ذلك في دار الحرب فلم يجب إذ لا فائدة للوجوب بدون الاستيفاء فصار كالحد ولأن دار الحرب دار إباحة للدم فيصير ذلك شبهة مسقطة للعقوبة لأن مجرد صورة الإباحة يكفي لسقوط العقوبة وإن لم تثبت حقيقة ألا ترى أنه يسقط بقوله اقتلني.

(٤)...البحر الرائق، دارالكتاب الاسلامي – (٥ / ١٠٨)

(قوله مسلمان مستأمنان قتل أحدهما صاحبه تجب الدية في ماله والكفارة في الخطأ) أي تجب الدية في مال القاتل لا على العاقلة سواء كان القتل عمدا أو خطأ أما الكفارة فلإطلاق الكتاب به والدية لأن العصمة الثابتة بالإحراز بدار الإسلام لا تبطل بعارض الدخول بالأمان وإنما

(جاری ہے۔۔۔)

لا يجب القصاص لأنه لا يمكنه استيفاؤه إلا بمنعة ولا منعة بدون الإمام وجماعة المسلمين ولم يوجد ذلك في دار الحرب وإنما تجب الدية في ماله في العمد لأن العواقل لا تعقل العمد وفي الخطأ لأنه لا قدرة لهم على الصيانة مع تباين الدارين والوجوب عليهم على اعتبار تركها (قوله ولا شيء في الأسيرين سوى الكفارة في الخطأ كقتل مسلم مسلما أسلم ثمة) وهذا عند أبي حنيفة وقالا في الأسيرين الدية في الخطأ والعمد لأن العصمة لا تبطل بعارض الأسر كما لا تبطل بعارض الاستئمان وامتناع القصاص لعدم المنعة وتجب الدية في ماله لما قلنا ولأبي حنيفة أن بالأسر صار تبعا لهم لصيرورته مقهورا في أيديهم ولهذا يصير مقيما بإقامتهم ومسافرا بسفرهم فبطل الإحراز أصلا كالمسلم الذي لم يهاجر إلينا وهو المشبه به في المختصر وخص الخطأ بالكفارة لأنه لا كفارة في العمد عندنا والله أعلم.

(٥)...مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر – (٢ / ٤٥١)

ولا شيء في قتل المسلم ثمة أي في دار الحرب مسلما أسلم ولم يهاجر إلينا سوى الكفارة في الخطأ اتفاقا عند أئمتنا وعند الأئمة الثلاثة يجب القصاص بقتله عمدا وتجب الدية بقتله خطأ.

(٦)...شرح الوقاية – (٦ / ١٦٩)

(ومَن أسلمَ ثَمَّةَ وله ورثةٌ هنالك، فقتلَهُ مسلم، فلا شيءَ عليه إلاَّ كفارةَ الخطأ(١)): أي له ورثةٌ مسلمونَ[(٢)] في دارِ الحرب، فإن كان القتلُ عمداً، فلا يجب شيء[(٣)]، وإن كان خطأً لا يجبُ إلاَّ الكفارة.

(٧)...عمدة الرعاية بتحشية شرح الوقاية – (٦ / ١٦٩)

(٣) قوله: فلا يجب شيء؛ أي لا القصاص ولا الدية ولا الكفارة، أمّا عدم الكفارة؛ فلأنه لا كفارة في القتل العمد عندنا مطلقاً؛ لأن نصّ الكفارة وهو الآية التي في سورة النساء مقيّد بالخطأ، وتفصيله في موضعه، وأمَّا عدمُ وجوب الدِّيَة والقصاص؛ فلعدم العصمة المُقَوِّمة وإن وجدت المُؤَثِّمة، فإنّ المُؤَثِّمةَ بالآدمية، والمُقَوِّمة وإن كان ثبوتُها بالإسلام لكن يعتبر معه الدار أيضاً، فمَن أسلمَ ولم يهاجر إلينا فهو من أهل دارهم حكماً، وهذا هو الوجه في عدم وجوب الدِّيَة في الخطأ، ويشهد له قوله تعالى: ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَأً فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ إِلاَّ أَنْ يَصَّدَّقُوا، فَإِنْ

(جاری ہے۔۔۔)

كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ، وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَى أَهْلِهِ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ، فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً مِنَ اللَّهِ﴾[النساء: ٩٢] حيث ذكر الله الدِّية في الصورة الأولى والثالثة مع الكفارة، واكتفى في الصورة الثانية على الكفارة، فلو كانت الدِّيَةُ واجبة فيها أيضاً لذكرها كما ذكرها في غيرها، وفي حواشي ((الهداية))(٥: ٢٧٥)، و((الهداية))(٢: ١٥٦) في هذا المقام تفصيل أغناني عن ذكره ما ذكرتُهُ لكفايته.

(٨)...الفتاوى الهندية – (٢ / ٢٣٦)

إذا أسلم الحربي في دار الحرب، فقتله مسلم عمدا أو خطأ، وله ورثة مسلمون هناك، فلا شيء عليه إلا الكفارة في الخطأ كذا في الهداية.........والله تعالى أعلم بالصواب

عبدالوہاب (عفااللہ عنہ)

دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۲۲/ربیع الثانی/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح
احقر محمود اشرف غفر اللہ لہ
۲۴/۴/۱۴۳۷ھ

جواب صحیح ہے، اور جو ملک اصل ہی سے دار الکفر ہوں اور ان میں قانوناً مسلمانوں کو ملکیت زمین کے حقوق حاصل ہوں، ان میں حضرت علامہ ظفر احمد صاحب عثمانی قدس سرہ کی جو تحقیق اعلاء السنن سے نقل کی گئی ہے، وہ راجح ہے، اور صاحبین کی عبارات سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اور ہمارے بزرگوں میں سے جن حضرات نے ہندوستان میں عشر کے وجوب کا حکم احتیاطاً اختیار فرمایا ہے [illegible] [illegible] اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ
۲۳-۴-۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح
شاہ محمد تفضل علی عفی عنہ
۲۹/۴/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح
محمد عبدالمنان عفی عنہ
۲۴/۴/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح
محمد یعقوب عفی عنہ
۲۷/۴/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح
۲۷/۴/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح
۲۷/۴/۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح
۲۶-۴-۱۴۳۷ھ

الجواب صحیح
۲۹/۴/۱۴۳۷ھ